© rasailojaraid.com

عالم اسلام: مجموعی صورت حال: ادب سے مذہب تک

محمد ظفر اقبال

اگر قرآن کی علمی سطح عہد حاضر کی سائنسی سطح کے برابر ہے تو یہ بھی بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ پندرہ صدیوں میں سائنس کے ذریعے جس نے بھی قرآن کی تفسیر کی کوشش کی وہ غلط تھی، ان سب کو سترہویں صدی تک کا انتظار کرنا چاہیے تھا تاکہ سائنس کی سطح بلند ہوسکتی پھر عالم اسلام کے تمام علماء کو یورپ جاکر تمام سائنسی علوم پر قدرت حاصل کرنا چاہیے تھی تاکہ وہ قرآن کی آیت **ھم عنقریب انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے** کی درست تفسیر پر قادر ہوسکتے جو شے نائیک صاحب کی دلیل کے مطابق خود ارتقاء پذیر ہے وہ وحی کے لیے کسوٹی اور منہاج کیسے ہوسکتی ہے۔ علامہ جوہری طنطاوی نے عقل کی پناہ گاہ کے ذریعے قرآنی آیات کی تفاسیر کی کوشش کی تو ان کی تفسیر خود سائنس کے ارتقاء کے باعث رد ہوگئی وہ اس ارتقاء کے نتائج دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے اور یہی ابتلا ذاکر نائیک صاحب کے ساتھ درپیش ہے، لیکن انسان تجربات سے سبق سیکھنے کے بجائے اپنی عقل اور زور خطابت سے نفس کو نص صریح کے مساوی سمجھتا ہے۔ نائیک صاحب کو یاد نہ رہا کہ اس مباحثے میں فرقان، معیار حق و باطل، خیر وشر کی پہچان منہاج علم اور اصل کسوٹی تو سائنس کو قرار دیا گیا لہٰذا سائنس کو غیر محسوس طریقے پر برتر علم [Superior Knowledge] تسلیم کرلیا گیا۔ کیمپ بل کے جواب میں ڈاکٹر نائیک کہتے ہیں کہ

> **"اگر کسی نے کوئی ایسی بات کی ھے جس سے قرآن کو اتفاق ھے تو اس سے یہ مراد لینا ھرگز درست نہ ھوگا کہ وہ بات قرآن نے اس شخص سے اخذ کی ھوگی"(۱)**

ہی بات درست ہے کہ اگر ایک ہی بات کوئی دوسرا آدمی بیان کردے تو یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس بات کا سرقہ کیا گیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں مختلف زبانوں کے شاعروں کے اشعار میں حیرت انگیز مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے، حالانکہ ان شعرا نے کبھی ایک دوسرے سے استفادہ کیا نہ وہ ایک دوسرے کی زبانیں جانتے تھے پھر ان میں ترتیب زمانی کا بہت فرق تھا لہٰذا اس میں قرآن کا کیا کمال ہوا یہ تو ایک

۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۱۔

☆الاصل براءۃ الذمہ ☆ بنیادی طور پر ذمہ سے بری ہونا مقصود ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام مشاہدہ ہے۔ یہ توارد ہے یا سرقہ یا انتحال۔ سرقے پر جرجانی، شمس رازی، آنند وردھن، راج شیکھر نے عجیب مباحث پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی ان مباحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جرجانی کی نظر میں سرقہ کوئی اہم بات نہیں، قوت متخیلہ کی ناکامی البتہ اہم بات ہے۔ شمس قیس رازی نے سرقہ واستفادہ کو انتحال، المام، سلخ اور نقل کی چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ''نقل'' سے ان کی مراد چربہ یا [Copy] نہیں، بلکہ مضمون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے۔ انھوں نے جو مثالیں دی ہیں۔ اور ان پر جس طرح اظہار خیال کیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نقل کو قابل ستائش سمجھتے ہیں۔ بعد میں ہمارے یہاں شمس قیس رازی کی انواع کو اور بھی تاریک اور لطیف طریقے سے سرقہ، توارد، ترجمہ، اقتباس، اور رواب کے زیر عنوان جگہ جگہ بیان کیا گیا۔

سنسکرت شعریات میں جرجانی سے بھی پہلے آنند وردھن نے اور پھر راج شیکھر نے ان معاملات پر بہت عمدہ بحث کی ہے، مکند لاتھ کا کہنا ہے کہ ان دونوں مفکروں کی نظر میں ''نیا اس وقت وجود میں آتا ہے جب قوت متخیلہ کے ذریعے پرانے کی تعمیر نو کی جائے''۔ قدیم سنسکرت شعریات میں ایک مکتب کا خیال تھا کہ شعر میں نئی بات کہنا ہی ممکن نہیں، کیوں کہ شاعری کا اظہار کرتی ہے۔ مکند لاتھ نے اس کا ترجمہ universal experience کیا ہے۔ چونکہ یہ آفاقی حقائق تعداد میں محدود اور تمام انسانوں میں بہر زمان و بہر وقت مشترک ہیں، اس لیے پرانے لوگوں نے انھیں پہلے ہی بیان کردیا ہے۔ لہٰذا اب نئے کہنے والوں کے لیے بچا ہی کیا ہے؟ [اس کا جواب آنند وردھن نے یہ دیا کہ جب نیا لفظ ہوگا تو نیا مضمون اور نئے معنی بھی ہوں گے۔] کیا عجب کہ طالب آملی کا مشہور قول ''لفظے کہ تازہ است بہ مضموں برابرست'' پنڈت راج جگن ناتھ کے واسطے سے آنند وردھن کے یہاں سے حاصل ہوا ہو؟] لہٰذا پرانی بات کو نئے الفاظ میں بیان کرنے سے بات بھی نئی ہو جاتی ہے۔

ان نکات پر گفتگو کرتے وقت خود مکند لاتھ نے ''اردو فارسی ادب کی مشہور اصطلاح ''مضمون'' کا ذکر کیا ہے اور انھوں نے ''مضمون'' کا ترجمہ [Theme] یا [Substance] کیا ہے، جو بالکل درست ہے، لطف یہ ہے کہ حالی کو عربی فارسی شعریات کے حوالے سے ان باتوں کا شعور تھا۔ چنانچہ وہ ابن خلدون کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''معانی صرف الفاظ کے تابع ہیں اور اصل الفاظ ہیں۔ معانی ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں ضرورت ہے تو صرف اس بات کی ہے کہ ان معانی کو کس طرح الفاظ میں ادا کیا گیا ہے''۔ [ابن خلدون کا یہ قول براہ راست جرجانی سے مستعار ہے،

☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معلوم ہوتا ہے کہ جرجانی اور آنندوردھن نے ایک ہی مکتب میں تعلیم پائی ہے]۔

برٹرنڈرسل [Bertrand Russell] نے جب چین جا کر وہاں کی تہذیب اور روایات کا براہ راست مطالعہ کیا تو اس کو یہ جان کر حیرت اور مسرت ہوئی کہ مولک پن [Originality] کا تصور صرف وہی ایک ہی نہیں ہے جو مغرب میں رائج ہے، بلکہ مولک پن [Originality] کے معنی یہ ہیں کہ پرانی بات کو نئے انداز میں دہرایا جائے۔ رسل کو محسوس ہوا کہ چینی تصور انشاء بھی اپنی جگہ پر درستگی کا حامل ہے اور ممکن ہے کہ یہ مغربی تصور سے بہتر بھی ہو۔ لیکن آزاد، حالی اور امداد امام اثر اور ان کے متبعین کو مشرقی تصور انشاء میں عیب ہی عیب نظر آتے تھے۔ سچ ہے، شکست خوردہ تہذیب سب سے پہلے فاتح تہذیب پر عاشق ہوتی ہے، اس اصول کو ہیری لیون [Harry Levin] نے "اقلیتی طبقے کی اپنے آپ سے نفرت" [Self-Hatred] سے تعبیر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ ابھی تک اس خودنفرینی [Self-hatred] سے آزاد نہیں ہوئے ہیں اور آج بھی ہم اپنے بیش تر ادبی سرمایے پر شرمندہ ہیں، یا اسے لائق اعتنا نہیں سمجھتے"۔(۱)

شمس الرحمٰن فاروقی کے اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مغرب کی پیروی، تقلید اور مرعوبیت کے باعث جس طرح ادبیات و شعریات اردو میں ہند کے مسلمان اسلامی تہذیب کے وارث ہونے کے باوجود فاتح تہذیب پر عاشق ہوگئے اور اپنی تاریخ، تہذیب، علمیت اپنے اداروں اور اپنے اعمال سے نفرت کرنے لگے۔ بالکل یہی صورت حال جدید سائنسی علوم کے بارے میں عالم اسلام میں بحیثیت مجموعی پیدا ہوئی کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب ایک غیر آراستہ دلہن لگنے لگی جو سائنس کے کمالات دکھانے سے عاجز و قاصر رہی لہٰذا عالم اسلام سائنس پر فریفتہ ہوگیا اور اس میدان میں متقدمین و متاخرین کی عدم دلچسپی اور عدم پیش رفت کے باعث مسلمان اپنی تہذیب و تاریخ پر غور کرتے کرتے فاتح تہذیب کی سائنس و تاریخ پر عاشق ہوگئے۔ اس عشق کی دو صورتیں عالم اسلام میں پیدا ہوئیں کہ کس طرح اسلام اور سائنس یا سائنس و اسلام کو تلفیق یا تطبیق کے اصول کے تحت ملا کر اسلامی سائنس پیدا کی جائے جو مغرب سے اعلیٰ ہو اور مغرب کو عبرت ناک شکست دے کر مسلم قوم پرستی کے احیاء کا سبب بنے، لیکن یہ کوشش بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کہ گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر پیدا کرلیا گیا جو نہ گھوڑا ہوتا ہے نہ ہی گدھا، خچر مردانہ خصوصیات سے عاری

۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، اردو دنیا قومی کونسل برائے فروغ اردو، اکتوبر ۲۰۰۹ء، ہندوستان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے لہٰذا نسل میں اضافے کا ذریعہ نہیں بن سکتا، یہ نہ گھوڑا ہوتا ہے نہ ہی گدھا۔ مگر گدھے سے جسمانی طور پر کچھ بہتر ہوتا ہے مگر افزائش نسل کے لیے بے کار اور گھوڑے سے نہایت کمتر یعنی گھوڑے سے بہتر ہونا تو در کنار اس کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ جدید سائنس اور مذہب کی تطبیق و تلفیق سے خچر جیسی کوئی چیز شاید پیدا ہو جائے مگر وہ نہ سائنس ہوگی نہ مذہب بلکہ صرف خچر۔ افسوس کہ جدیدیت پسند بے سمت کوششوں کے باوجود ایسی مخلوق پیدا کرنے سے بھی قاصر رہے۔

علم جنین کے ارتقائی مراحل کا سائنسی ذکر: قرآن کا مقصود نہیں:

اصل سوال یہ ہے کہ کیا قرآن دنیا میں موجود علوم عقلی سے [**جو تجربات کے نتیجے میں مسلسل ارتقاء پذیر رہتے ہیں**] اتفاق ظاہر کرنے، اس کی تائید، توثیق اور تصدیق کرنے اس کی خبر دینے اس کو موثق اور موکد کرنے نازل ہوا ہے، ذاکر نائیک کہتے ہیں کہ:

> **قرآن گالن اور ہیپو کریٹس وغیرہ کی ہر بات سے اتفاق نہیں کرتا ارتقاء کے جنین کے حوالے سے قرآن اور گالن کے نظریات میں مکمل یکسانیت نہیں پائی جاتی۔(۱)**

یہ کہنا کہ قرآن گالن، ارسطو اور ہندو فلسفیوں کے نظریات سے اتفاق کرنے نازل ہوا۔ ذاکر نائیک کی نہایت کم زور اور غیر علمی دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ علم جنین کے ارتقائی مراحل بیان کرنا کوئی ایسا عظیم کام نہیں تھا جو پیغام ربانی کے بغیر ممکن نہ ہو، اس علم کو کسی بھی زمانے کا کافر یا مسلمان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور طبیعی ذرائع علم یعنی عقل وجدان کے ذریعے حاصل کر سکتا تھا۔ تجربات اور حادثات کے ذریعے بھی یہ علم ہو سکتا ہے اختباریت، تجربیت اور مشاہدات مسلسل کے ذریعے بھی اس حقیقت کا حصول ممکن ہے۔ قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، نہ علم گائنا کولوجی یا ایمبریالوجی کی نصابی کتاب جس میں مراحل پیدائش کا تفصیلی بیان ہو۔ نطفے کے قرار مکین میں قیام سے لے کر اس کے ظہور کامل تک کے تمام مراحل، ہر عہد کے انسانوں کے علم میں مختلف سطحوں پر تھے۔ قرآن میں ان مراحل علم جنین کا بیان، بیان واقعہ [Statement of Event] ہے، بیان حقیقت [Statement of Reality] نہیں جس کے لیے قرآن نازل کیا جاتا۔ یہ کام قرآن کے نزول سے بہت پہلے مختلف

۱۔ ذاکر نائیک، خطبات ذاکر نائیک، صفحہ ۱۰۱۔

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفکرین، فلسفی اور سائنس دان اپنی اپنی سطح پر کر رہے تھے یعنی جنین سے متعلق معلومات اس عہد کے اہل علم کے لیے نظام شمسی اور نظام کائنات کے سائنسی امور کی طرح معلوم اور معروف امور اور علوم تھے اور اس عہد کے عقلی ماہرین کے لیے رحم مادر میں پرورش انسانی کے معاملات اجنبی نہیں تھے، لہٰذا قرآن نے بیان واقعہ کے طور پر بتادیا کہ یہ مراحل، یہ کائنات، یہ سورج سیارے کس کی صناعی کا شاہکار ہیں، اس خالق کائنات پر ایمان لانے کے بجائے ارتقائی مراحل کی سائنسی بحث میں الجھنا دین کے مقصد اور نزول قرآن کے ہدف کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے مثلاً قرآن نے بیان کیا کہ تمام مخلوقات پانی سے بنی ہیں یونانی فلسفی تھیلس [Thales] پانی کو حقیقت قرار دیتا تھا۔ وہ تمام مخلوقات کو پانی سے خلق ہوتا ہوا ثابت کرتا ہے۔ اس فلسفی کے انتقال کے کئی ہزار برس بعد قرآن نے بھی پانی کی حقیقت بتادی کہ یہی تخلیق کا وسیلہ ہے تو اس آیت کا مقصد کوئی سائنسی راز منکشف کرنا نہیں نہ ہی یونانی فلسفی تھیلس کے نظریات کی ربانی، آسمانی، نبوی اور الٰہی تائید فراہم کرنا ہے، انسان کی تخلیق پانی کے نطفے سے ہوتی ہے یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے جو توالد و تناسل کے عمل سے آگاہ ہے، ایک ان پڑھ دیہاتی بدو بھی اس حقیقت کو جانتا ہے بلکہ اس حقیقت سے جو نزول قرآن سے پہلے لوگوں کے علم میں ہے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ کائنات کا رب پانی جیسی حقیر شے جسے تم شب و روز حقارت سے پھینکتے ہو اس عظیم انسان کی نمود اور ظہور پر قادر ہے جو کائنات میں تہلکے برپا کرتا ہے۔ اگر تھیلس کے بیان کی تصدیق قرآن نے کی تو یہ کیا خاص بات ہوئی کیا قرآن تھیلس جیسے فلسفیوں اور سائنس دانوں کے بیانات کی تردید و تکذیب یا اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے؟ اگر قرآن سے پہلے مختلف تہذیبوں اور زمانوں کے مفکرین اس کائنات، نظام شمسی، مراحل جنین اور تخلیق انسانی کے معجزے کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اپنے علمی، عقلی، سائنسی منطقی نتائج بیان کر رہے تھے اور یہ کام قرآن کی آمد سے ہزاروں سال پہلے قرآن کے بغیر رسالت مآب ﷺ کی لائی ہوئی آیات کے بغیر بھی خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا تو یہ کہنا کہ قرآن نے سائنسی مزاج دیا اور قرآن کی وجہ سے جدید سائنسی ارتقاء ممکن ہوا اور قرآن نے سائنس کی روح پیدا کی ایک احمقانہ استدلال ثابت ہو گیا۔ اگر ذاکر نائیک صاحب یہ کہیں کہ قرآن ارسطو، گالن اور دیگر حکماء کے بیانات و تحقیقات جنین کے مراحل ارتقا کی تصحیح اور درستگی کے لیے نازل ہوا تو یہ ایک کاذب بیانیہ ہوگا کیونکہ نزول قرآن کا مقصد سائنس دانوں کے تجربات مشاہدات نتائج کی تردید و تصحیح نہیں ہے۔ جو مفتی عبدہ سے لے کر ذاکر نائیک تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر کسی دلیل کے دہرا رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ قرآن سے پہلے آنے والے فلسفیوں، مفکرین اور سائنس دانوں نے مراحل جنین سے متعلق جو نتائج بیان کیے ان میں ماہ و سال کے طویل بُعد اور فاصلے کے باعث تحریف اور تلفیق کا امکان ہے۔ اگر قرآن بھی ان ہی پہلوؤں پر غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے اور انہی پامال موضوعات پر تحقیق وارتقاء کے دروازے کھولنے کے لیے آیا ہے تو الٰہی اور انسانی یعنی دونوں طریقوں میں کیا فرق ہے؟ بات صرف یہ ہے کہ قرآن معلومہ حقائق سے ذات خداوندی کے اثبات کی طرف بلا رہا ہے مثلاً قرآن میں شیشے کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب فن شیشہ سازی اور اس کی مصنوعات سے واقف تھے۔

مولانا ابو الجلال ندویؒ کے مطابق کسی لفظ کی قدامت کا پتا لگانے کا قاعدہ یہ ہے کہ دیکھا جائے وہ لفظ کس دور کے ادب میں ہمیں ملتا ہے۔ اگر ایک لفظ قرآن میں آیا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کم از کم ہزار سال پرانا ہے اس لیے عرب جاہلیت کے قدیم تمدن کا پتا لگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن میں جو تمدنی الفاظ یا تمدنی ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں ان سے دور جاہلیت کے معاشرے کا پتا لگایا جائے کیوں کہ عربوں کے لیے قرآنی الفاظ جانے بوجھے تھے وہ ان کے معانی کو اچھی طرح جانتے تھے، قرآن میں جنت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کے لیے جو اعلیٰ تہذیبی اور تمدنی الفاظ لائے گئے ہیں ان سے یقیناً عرب آشنا تھے، سورہ غاشیہ [۱۳۔۱۶] میں خلد بریں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

”جنت میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوئے ہوں گے۔ آب خورے رکھے ہوئے ہوں گے۔ غالیچے نہایت قاعدے سے لگے ہوئے ہوں گے۔ مخمل کے نہالچے بچھے ہوئے ہوں گے۔

ان الفاظ سے کیا یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ عرب کسی زمانہ میں اسی طرح رہتے سہتے تھے اور یونہی کھاتے پیتے تھے؟ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ الفاظ کبھی وجود میں نہ آتے قرآن میں قواریر استعمال ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب چاندی کی شیشیاں بناتے تھے اور اگر بناتے نہیں تھے تو استعمال ضرور کرتے تھے۔ اسی طرح سے پتا چلتا ہے کہ عربوں کے قدیم معاشرے میں منقش چراغ رائج تھے۔ چراغ تو عام چیز ہے لیکن چراغ کے علاوہ اور چیزیں بھی مذکور ہیں [۱] دیوٹ [۲] فانوس۔ یہ چیزیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ عرب شیشہ سازی کا فن جانتے تھے اور اتنا اچھا جانتے تھے کہ شیشہ صیقل ہو کے موتی کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ اگر اسلام سے پہلے عرب تمدن کے اس اعلیٰ مقام پر نہ ہوتے تو قرآن عاد و ثمود کی بابت یہ کیوں کہتا ”لم یخلق مثلها في البلاد“ [ویسی متمدن قوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی]

ان الفاظ کے علاوہ عربی زبان تہذیب وتمدن کے اور اعلیٰ لفظوں سے بھری پڑی ہے، چوں کہ عرب بدویانہ زندگی گزارتے تھے اور صحراؤں میں اور چراگاہوں میں وہ اپنے اونٹ اور بھیڑ بکری لیے پھرا کرتے تھے اس لیے انھیں نباتات کے متعلق پورا پورا علم تھا۔ بے برگ وگیاہ صحرا میں جو پودا بھی انھیں نظر آتا اس کے بارے میں تحقیق کرتے، عربستان جیسی بنجر زمین میں پودا تو کیا پودے کا ہر جز و انسانی اور حیوانی زندگی کو عزیز ہوتا ہے۔ نباتات کے بارے میں ان کی زبان اس درجہ مالدار رہی ہے کہ بعد کے علمی دور میں وہ فلسفہ اور طب وغیرہ میں غیر ملکی اصطلاحات اور الفاظ لانے پر مجبور نہیں ہوئے۔ اُن کے خزانہ لغت میں نباتات کے بارے میں خود اتنے الفاظ تھے کہ دوسری زبان سے انھیں کچھ مانگنا نہیں پڑا۔ نباتات کے دقیق سے دقیق مسائل کے بارے میں پرانے عربوں کے علم ومعرفت کا اندازہ ہمیں اب بھی کتابوں سے ہوتا ہے"۔

قرآن میں شیشے کا ذکر ہے تو اس لیے نہیں ہے کہ اس سے شیشے کی صنعت ثابت کی جائے بلکہ اہلِ عرب شیشے کی مصنوعات سے واقف تھے اس لیے اسے بطور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر عرب شیشے کے ظروف اس کی صفت اس کے کاری گروں کی صناعی سے واقف نہ ہوتے تو قرآن ان اشیاء کو بطور مثال پیش نہ کرتا۔ مثال دینے کے لیے ضروری ہے کہ سامع یا ناظر اسے پہلے سے جانتا ہو اور وہ اس کے لیے اجنبی نہ ہو۔ قرآن میں بیان کردہ اس طرح کی امثال، آیات اور اشاروں سے مختلف قسم کے سائنسی علوم کا جواز ثابت کرنا اہل مغرب کو اہل اسلام پر تمسخر کے مواقع مہیا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

ہر جاندار کی اصل پانی ہے: کیا اس حقیقت کا موجد قرآن ہے؟

ذاکر نائیک کہتے ہیں کہ:

"ہر زندہ چیز پانی سے بنی ہے اور قرآن یہ حقیقت ۱۴۰۰ سو برس پہلے بیان کرچکا ہے".(۱)

قرآن سے تین ہزار سال پہلے یونانی فلسفی تھیلس Thales یہ حقیقت بیان کرچکا ہے کہ حقیقت [Reality] پانی ہے وہ تمام مخلوقات کو پانی سے خلق ہوتا ہوا محسوس کرتا تھا، اس کے وجدان،

۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۲۔

☆ جس نے قبل از وقت کسی شے کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفس اور عقل نے اس پر یہ حقیقت قرآن کے نزول سے کئی ہزار سال پہلے منکشف کردی تھی۔ کیا قرآن یہ بتانے کے لیے آیا ہے کہ تخلیق پانی سے ہوتی ہے؟ مالک الملک کو یہ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کون سی چیز کس چیز سے بنتی ہے؟ کیا قرآن سائنس کی کتاب ہے؟ یا اشیاء کی تیاری کے اجزاء بنانے کا نسخہ ہے؟ یہ کوئی کیٹلاگ ہے؟ Blue Book ہے؟ فارما کو پیا Pharmacopia ہے؟ Data Bank ہے؟ نعوذ باللہ، کوئی Junkyard ہے؟ Workshop ہے؟ جس میں ہر بے کار مسئلے سے متعلق معلومات اور اشیاء کا علم اور انبار جمع کردیا گیا ہے؟ اصلاً تو خالق مالک اور مصور تو ذات الٰہی ہے قرآن میں پانی سے تخلیق کے ذکر کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ مخلوق کو یہ بتادیا جائے کہ اللہ رب العزت تخلیق کے لیے جو وسیلہ چاہے؟ اپنے فرشتوں کو اسے اختیار کرنے کا حکم دے سکتا ہے؟ پانی جیسی حقیر شے جسے دنیا کا ہر انسان حقارت سے استعمال کرتا روندتا اور پھینک دیتا ہے سرچشمۂ تخلیق بنادیا جاتا ہے، پانی خود تخلیق ربانی ہے اور ایک ایسا وسیلہ جس کے ذریعہ اللہ نے مخلوقات کی تخلیق فرمائی اب آیت کے اصل مقصد پر توجہ دینے کے بجائے جدید مسلم مفکرین وسیلے کی تحقیق میں لگ گئے اور وسیلہ ہی اصل مقصد، ہدف اور منزل قرار پایا۔

سترہویں صدی میں مغرب کے ساتھ یہی المیہ پیش آیا کہ اس نے سائنس کو حقیقت کی تلاش کے وسیلہ کے طور پر اختیار کیا اور آخر کار تلاش حقیقت سے دستبردار ہوکر مغرب نے اس وسیلے یعنی سائنس کو ہی اصل حقیقت، حقیقت الحقائق، حقیقت اولیٰ، حقیقت مطلق خیر کل اور الحق قرار دے دیا، عہد حاضر کا مذہب اور علم سائنس ہے، سائنس کے سوا کسی علم کو علم تسلیم نہیں کیا جاتا لہٰذا جب ہم قرآن کو سائنس سے ثابت کرتے ہیں تو اصلاً ہم اپنے احساس کم تری کو چھپانے کے لیے اپنے علم، الکتاب اور الحق کو الحق سمجھنے کے بجائے عہد حاضر کے علم اور مذہب سائنس کی پناہ لے لیتے ہیں وراس کے حصار میں آکر اپنے دین کو سائنس سے کمک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا اللہ کا دین اور اس کا کلام سائنس کے سہارے کے بغیر اس جدید دنیا میں چل سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ہے اصل سوال اور اس کا جواب بہت آسان ہے۔

سورۃ الانبیاء میں: اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ[۲۱:۳۰] جہاں پانی سے جاندار

ماجاز لعذر بطل بزوالہ ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہوجائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخلوقات کی تخلیق کا ذکر ہے اس آیت کا مدعا سائنسی تحقیق نہیں نہ جدید یا قدیم سائنسی تحقیقات کی قرآن سے تردید و تصدیق مقصود ہے، نہ ان جدید و قدیم تحقیقات کی روشنی میں قرآنی آیات کی عظمت کو ثابت کرنا مطلوب ہے، یہ طرز تفسیر سلف سے لے کر خلف تک اسلامی تاریخ و تہذیب کے لیے اجنبی طرز ہے۔ اگر قدیم و جدید سائنسی تحقیقات اور آیات قرآنی میں اتفاقاً کوئی اشارہ مل بھی گیا ہے تو یہ منشاء کلام ربانی نہیں یہ منشائے جدید متکلمین و مفسرین ہے جو تفسیر ماثور پر شرمندہ ہوتے ہیں اور ''تفسیر علمی'' [سائنسی تفسیر] پر فخر کرتے ہیں، اگر علماء کرام قدیم و جدید تفاسیر کا مطالعہ کریں جو تفسیر ماثور سے ماخوذ ہیں اور اس کا تقابل سرسید، عبدہ، طنطاوی اور نائیک کی تفاسیر سے کریں تو ان سائنسی تفاسیر کی بے وقعتی اور بے توقیری نمایاں ہو جائے گی۔

سائنسی مفروضے کو قرآنی حقیقت میں تبدیل کرنے پر اصرار: نائیک صاحب کی گمراہ کن غلطی:

''Big Bang کل ایک محض مفروضہ تھا جب مفروضہ حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر ہم اسے استعمال کرسکتے ہیں''۔ (۱)

Big Bang کل بھی مفروضہ تھا اور آج بھی مفروضہ ہے۔ اس کو تجربہ گاہ میں ثابت نہیں کیا جاسکتا لہٰذا اسے حقیقت سمجھنا ذاکر نائیک صاحب کی کم علمی ہے۔ بگ بینگ سے متعلق بعض اہم تفصیلات اور کائنات کے بارے میں سائنس دانوں کے مسلسل تغیر پذیر نظریات کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ ذاکر نائیک صاحب اس موضوع پر ڈاکٹر مظفر اقبال اور ڈاکٹر حسین نصر کا مکالمہ پڑھ لیں۔ تو ان کے بہت سے واہمے دور ہو جائیں گے۔ حسین نصر نے MIT سے سائنس میں اعلیٰ سند حاصل کی ہے اور فلسفے اور سائنس میں ذاکر نائیک ان کے سامنے طفل مکتب بھی نہیں ہیں، ڈاکٹر مظفر اقبال خود ایک بڑے سائنس دان ہیں اور علوم جدیدہ و علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بگ بینگ پر ان مفکرین کا مکالمہ نائیک صاحب کے خطیبانہ دعوؤں کی حقیقت واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا سائنس قبولیت مذہب کا پیمانہ بن سکتی ہے؟

نائیک صاحب کہتے ہیں:

"ایک غیر مسلم کے لیے شاید اصل معیار جدید سائنس ہو لہٰذا میں انھی کے معیار انھی کے پیمانے کو استعمال کرتے ہوئے قرآن کی برتری کا ثبوت فراہم کرتا ہوں تاکہ وہ قرآن پر ایمان لائیں"۔(۱)

نائیک صاحب کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ایک غیر مسلم جدید سائنس کو معیار سمجھتا ہے اور اسے علم کا پیمانہ قرار دیتا ہے؟ آدمی جس پیمانے پر ایمان لاتا ہے وہی پیمانہ اس کے ایمان کی کسوٹی بن جاتا ہے نہ کہ قرآن۔ جب منہاج، کسوٹی، پیمانہ اور علم سائنس ہے تو ایمان سائنس پر لایا جائے گا یا اسلام پر؟ اگر سائنس کے ذریعے اسلام پر ایمان لے آئیں تب بھی یہ ایمان جس وسیلے سے حاصل ہوا وہ سائنس ہے لہٰذا اصل اہمیت سائنس کی ہوئی وہ نہ ہوتی تو ایمان کیسے ملتا اور لہٰذا ایمان منحصر ہے سائنس پر۔ کیا انبیا نے اپنے عہد کے لوگوں تک دین پہنچانے کے لیے کبھی کفر اور اسلام کے مشترکہ مصطلحات، مشترکہ الفاظ، مشترکہ مابعد الطبیعیات، مشترکہ اقدار، روایات اور اصطلاحات کا سہارا لیا؟ کیا انبیاء نے مشرکین اور کفار کو دعوت ان کے منہاج علم کے مطابق دی یا اپنے منہاج علم سے مخاطب کیا؟ کیا ان کی مابعد الطبیعیات کے کفر سے اسلام کا چراغ عقل جلانے کی کوشش کی کہ شاید وہ سمجھ جائیں؟ انبیاء کی دعوت اس طریقہ کار کی تائید نہیں کرتی۔ قصص انبیاء سے یہ طریقہ کار ثابت نہیں ہوتا۔ کسی بڑے اہل علم غیر مسلم کا نام ذاکر نائیک صاحب نہیں بتا سکتے جو سائنس کو اصل معیار علم سمجھتا ہو۔ سائنسی علم تجربے، مشاہدے، حواس خمسہ اور عقلیت کے ذریعے ملتا ہے لہٰذا یہ علم صرف جزئیات کا علم دے سکتا ہے حقیقت کلی کا علم نہیں دے سکتا۔ عقل اور حواس خمسہ میں یہ صلاحیت اور استعداد ہی نہیں کہ وہ کسی حقیقت یا کلیت کا مکمل علم دے سکیں، وہ کل کو جزئیات میں تقسیم کر کے کسی ایک جز کا علم دے سکتے ہیں وہ بھی غیر قطعی اور وقتی ہوتا ہے اسی لیے مغرب کے تمام اہل علم سائنس کو قطعاً ناقابل اعتبار علم سمجھتے ہیں اور اس سے کاروبار دنیا چلانے کا کام لیتے ہیں۔ کانٹ کے فلسفے کے بعد سائنس کے ذریعے حقیقت کی تلاش، حقیقت کی معرفت اور ماورائے طبیعیات کی طبیعیات کے ذریعے جستجو کا فلسفہ ہی ختم

۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گیا، اب حقیقت تخلیق ہوتی ہے اور حقیقت وہی ہوتی ہے جو کسی ذہن میں، یعنی حقیقت صرف مادی ہوتی ہے اور اس ذہن کی کاری گری اور نقشہ کشی کے تحت حقیقت کی دنیا [World of Reality] سائنسی وسیلے سے تخلیق ہو رہی ہے۔ غیر مسلم کا اصل معیار سائنس نہیں اس کا نفس [Self] ہے، اس کی خواہشات نفسانی ہیں جن کی تکمیل جدید مغربی معیشت [Economics] کرتی ہے جو اس جدید مابعد الطبیعیاتی تصور انسان سے نکلی ہے کہ Man is a pleasure seeking animal جدید انسان اصلاً ایک لذت پسند جانور ہے، آسائشات زندگی کا سریع حصول اور لذات تک اس کی پہنچ اس کا اصل مقصود و ہدف ہے۔ خواہ اس کا وسیلہ مذہب ہو یا سائنس یا فلسفہ اسے اس سے کوئی غرض نہیں۔ کاش نائیک صاحب جدید فلسفہ پڑھ لیتے تو انھیں جدید انسان کی ذہنی ساخت کا پتا چل جاتا اس معیشت کی انجیل میں اس کی مابعد الطبیعیات بیان ہوئی ہے۔ اس کا سرچشمہ Scottish Enlightenment ہے جس نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ صرف اور صرف دولت مند آدمی امیر آدمی کو شریف آدمی قرار دیا۔ gentleman وہ جس کے پاس مال دولت اور اسباب دنیا کی فراوانی ہو جسے اِس دنیا میں نعمتیں میسر ہوں گی اسی کو آخرت میں بھی نعمتیں عطا ہوں گی جو اس دنیا میں محروم، نادار، فقیر، فقر و فاقہ اور افلاس کا اسیر ہے وہ اس دنیا میں بھی آخرت میں بھی مفلس، ٹھکرایا ہوا نادار، حقیر، فقیر اور راندہ درگاہ رہے گا۔ جس کو دنیا میں عیش کی زندگی ملے گی وہی آخرت میں عیش کی زندگی سے ہم کنار ہوگا۔ مغرب میں اس مذہبی تصور کی بھیانک ترین شکل پروٹسٹنٹ ازم کی صورت میں سامنے آئی اور عالم اسلام میں فتنۂ انکار حدیث پرویزیت اسی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے کہ جس کی دنیا بہترین ہے اسی کی آخرت بھی بہترین ہوگی، جو دنیا میں کامیاب ہے وہی آخرت میں رسوا نہ ہوگا۔ قرآن کی آیت: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة کا مطلب اہل قرآن، منکرین حدیث اور جدیدیت پسند مسلم مفکرین بھی یہی بیان کرتے ہیں، یہ تصورات نہایت کلیۃً باطل ہیں اور عالم اسلام میں Scottish Enlightenment اور پروٹسٹنٹ ازم کے زیر اثر سرقہ اور ترجمہ کر کے مغرب سے منتقل کیے گئے ہیں۔ اہل قرآن نے دنیا اور آخرت کو بہترین کرنے کی آیات کا مطلب سرقہ اور ترجمہ کے ذریعے یہی اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں مادی طور پر مسلمان کو سب سے بہتر اعلیٰ اور ارفع کر دے کیونکہ اگر مسلمان دنیا میں غریب الدیار رہے تو آخرت کے میدان حشر میں بھی غریب الوطن رہیں گے اور ٹھکرا دیے جائیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا میں نعمتیں اور عیش عطا نہیں کرے گا اسے آخرت میں بھی ان سے محروم ہی رکھے گا۔ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے انھوں نے دنیا سے متعلق آیات کا مفہوم کل [whole] سے اخذ کرنے کے بجائے جزئیات کی بنیاد پر اخذ کیا۔ آخرت میں وہ کامیاب ہوگا جو دنیا میں اعمال صالحہ کرتا رہے۔ ان اعمال صالحہ کے نتیجے میں اسے دنیا بھی مل سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں .....اسے نعمتیں بھی عطا ہوسکتی ہیں مگر لازمی نہیں۔ اگر یہ امر لازمی ہوتا تو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو مرفع الحالی نصیب ہو جاتی کہ اسلامی سلطنت قائم تھی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماں روا تھے، لیکن صحابہ کرام مسکینی کی زندگی گزارتے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وصال مبارک کے وقت مقروض تھے۔ اگر اعمال صالحہ کے باعث ہی دنیا کے رزق کی فراوانی ہوتی ہے تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ میں قحط نہ آتا، جب روئے زمین پر اس عہد کے سب سے بہترین انسان موجود تھے اور خیر القرن پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھا۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اس سے دنیا داری کا استنباط مناسب نہیں یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے: الدنیا مزرعۃ الآخرۃ جو یہاں بوؤ گے وہ آخرت میں کاٹو گے۔ یہ دار الامتحان ہے جو یہاں اعمال صالحہ کی فصل بوئے گا اس کا پھل اسے اس دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں یقینی طور پر ملے گا: وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ [۱۶:۳۰] نیک لوگوں کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

جدید معیشت کی مابعد الطبیعی اساس:

آدم اسمتھ نے جدید معاشیات کی مابعد الطبیعیات کی تفصیل سے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

They consume little more than the poor, and in spite of their natural selfishness and rapacity, though they mean only their own conveniency, though the sole end they propose from the labour of all the thousands whom they employ be the gratification of their own vain and insatiable desires, they divide with the poor the produce of all their improvements. They are led by an invisible hand to make nearly the same distribution of the necessaries of life, which

☆ ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ ☆ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

would have been made, had the earth been divided into equal portions among its inhabitants, and thus without intending it, without knowing it, advance the interest of the society, and afford means for the multiplication of the species. When Providence divided the earth among a few lordly masters, it neither forgot nor abandoned those who seemed to have been left out of the partition. These last too enjoy their share of all it produces.(1)

اسمتھ کا یہ موقف جدید علم معیشت کا مابعد الطبیعیاتی تناظر واضح کرتا ہے۔ اسمتھ نے بغیر کسی تحقیق، جانچ، پڑتال اور سائنسی اعداد وشمار کے صرف یہ دعویٰ کر دیا کہ تمام امیر فطری طور پر مفاد پرست لالچی اور حاسد وحریص ہوتے ہیں، ان کی سرگرمیوں سے جو وہ اپنے فائدے اور خواہشات کی تکمیل کے لیے مزدور کی خدمات سے فائدے اٹھاتے ہیں معیشت میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص کو اس منصفانہ تقسیم رزق کے ذریعے وہی کچھ مل جاتا ہے جو روئے زمین پر آباد تمام انسانوں کے مابین زمین کی مساوی تقسیم کے نتیجے میں ہر فرد اس قطعۂ زمین سے جو کچھ رزق حاصل کرسکتا وہی رزق سرمایہ دارانہ معیشت وکاروبار کے نتیجے میں اسے منصفانہ طور پر میسر آجائے گا، اس منصفانہ تقسیم کا فریضہ ایک مخفی اور نادیدہ ہاتھ سرانجام دیتا ہے جو آجر اور اجیر کے مفادات کے مابین توازن قائم کردیتا ہے اور سب کو ان کی اہلیت کے مطابق رزق مل جاتا ہے۔ روئے زمین پر آباد تمام انسانوں میں زمین کو مساوی تقسیم کرنا، پھر اس زمین سے حاصل ہونے والے رزق کا اندازہ کرنا، پھر تمام لوگوں کے رزق کا تقابل وموازنہ کرنا اور اسے مساوی قرار دینا عملاً کسی طور ممکن ہی نہیں، یہ محض اسمتھ کے ایمان و عقیدے کا مسئلہ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسمتھ کا بلا دلیل دعویٰ تھا جسے بغیر کسی جرح ونقد کے ایمان عقیدے، نظریے اور یقین کے طور پر قبول کرلیا گیا۔ اسمتھ کے اس نظریے کی کوئی علمی، تجرباتی اور سائنسی دلیل اس کے پاس نہیں تھی۔ یہ خالص مابعد الطبیعیاتی دعویٰ ہے یہ جھوٹ ہے کہ تمام امراء حریص وحاسد ہوتے ہیں صرف اپنی خواہشات کے لیے لوگوں سے اجرت پر کام لیتے ہیں، تاریخ اور تجربات اس کی نفی کرتے ہیں مگر اسمتھ کے اس دعوے کو قبول کر کے جدید معیشت کی بنیاد

1. Adam Smith, The Theory of Moral Sentiments. (Indianpolis, 1982) IV. 1.10, pp. 184-5.

☆الضرر لا یزال بالضرر☆ نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرص وحسد و ہوس کے جذبے پر رکھی گئی اور تمام اخلاقی، دینی قدغنوں کو ختم کر کے آزادی اور مسابقت کی معیشت کو مسلط کر دیا گیا۔ اس معیشت کا علم سرمایہ داری [Capitalism] کہلایا جو جدید سائنس کا پہیہ چلانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، آج سائنس کو کیپٹل ازم سے الگ کر دیا جائے تو اس کے تمام کمالات دم توڑ دیں گے، نائیک صاحب کیپٹل ازم سائنس اور کالونیل ازم کی مثلث کی تاریخ سے بھی واقف نہیں ہیں اور تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

غیر مسلم سے مراد ذاکر نائیک صاحب کے خیال میں Other than Muslim یعنی کل عالم، کفار، مغربی، سفید زرد رنگت والے ہندو عیسائی، یہودی جن کا ایمان عہد جدید کے خدا سائنس وٹیکنالوجی پر ہے اور نائیک صاحب کے خیال میں عالم اسلام اور عالم کفر کی مشترکہ اساس اور نقطہ اتفاق جدید سائنس وٹیکنالوجی ہے، لیکن اہم ترین سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اپنے عہد کے مشرکین، منافقین، متکبرین، کافر اور ملحدین کو کیا اس عہد کے کافرانہ علمی پیمانوں اور تحقیقی معیارات کے ذریعے دین کی دعوت دیتے تھے یا اپنے معیار، طریقے، اپنے اسلوب اور اپنے منہاج کے مطابق دعوت دیتے تھے؟ قرآن بتاتا ہے کہ: ”فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ“ [سورۂ مومن: ۸۳] جب بھی ان کے رسول ان کے پاس نشانیاں لے کر آتے ہیں وہ اُسی علم [یعنی سائنس فلسفہ، الحاد، مادیت ٹیکنالوجی] میں مگن رہے جو ان کے پاس تھا“ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو چین، ہند، ایران، روم اور یونان کا فلسفہ سائنس تہذیب تمدن علم ترقی ایجادات کمالات اپنے جوبن پر تھے اس عہد کا علم ہی فلسفہ اور سائنس تھا۔ جن کی پرستش تمام تمدنوں میں کی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت نبی امی کو مبعوث فرمایا اور دنیا کو بتادیا کہ اصل جہالت وہ ہے جو تمھارے پاس ہے یعنی کتابی، حسابی، نصابی اور کاغذی علم، تمھارے یہاں علم کا اعلیٰ ترین مرتبہ صرف اور صرف فلسفہ اور فلسفہ کی شاخ جسے سائنس کہتے ہیں اس کے ذریعے تم حقیقت کے حصول کا دعویٰ کرتے ہو لیکن حقیقت تک پہنچ نہیں پاتے جبکہ اصل علم یعنی العلم، الکتاب اور الحق ہے جو ہم نے نبیؐ امی اور امیینؐ پر نازل کی ہے اور اس کے ذریعے ہم نے روشنی، نور اور علم سے ان کے دلوں اور ان کی سرزمین کو منور کر دیا ہے۔ لہٰذا جو بظاہر تمھیں اَنْتی لکھنے پڑھنے کی صفت سے محروم نظر آتا ہے حقیقت میں وہی عالم ہے، جاہل تو تم ہو کہ تمھاری تمام تہذیبیں، کتابیں، یونیورسٹیاں، مدرسے، کتب خانے، فلاسفہ ہیں جو اس علمی روشنی اور چکا چوند کے باوجود حقیقت الحقائق اللہ تک پہنچانے سے قاصر رہے

☆ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ☆ جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفہ اور اس کی شاخ سائنس اور سوشل سائنس جو فلسفے کو اپنے وجود میں تحلیل کر کے ختم کر چکی ہے اس کائنات کے خدا کو پہچاننے سے قاصر ہے وہ علم، علم ہی نہیں جو حقیقت [Reality] کی خبر دینے سے معذور و مجبور ہو۔ قرآن کی نظر میں یہ علم نہیں جہالت کبریٰ ہے۔ رسالت مآبؐ اُمّی ہونے کے باوجود اس لیے سراج منیر تھے کہ آپ کے پاس حقیقت کو جاننے کا علم تھا جو اصلاً راس العلم ہے۔ فلسفہ بھی حقیقت کو جاننے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن فلسفی آج تک حقیقت کے کسی ایک تصور پر متفق نہیں ہو سکے۔ لہٰذا فلسفے نے حقیقت کے تصور کو ناممکن الحصول بنا دیا اس لیے یہ جہالت ہے۔ فلسفہ اور سائنس اس مادی وطبیعی دنیا سے نکلتے ہیں وہ نفس انسانی سے ظہور کرتے ہیں یعنی ان کا مبدا یہ طبیعی دنیا ہے لہٰذا وہ اسی طبیعی دنیا سے متعلق امور کے بارے میں ہی کچھ بتا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس طبیعی دنیا کا کل علم [whole knowledge] بھی نہیں رکھتے اور اس مادی دنیا سے متعلق مادی، حسی، تجربی اور طبیعی علوم کو مختلف خانوں، حصوں، ٹکڑوں میں غیر قطعی طریقے سے حاصل کرتے ہیں لہٰذا اس دنیا کا علم بھی انھیں کلیت میں نہیں اجزاء میں ملتا ہے اور یہ جزئی علم بھی غیر قطعی ہوتا ہے۔ جب یہ اس مادی دنیا کا علم کلی بلکہ جزوی طور پر بھی مکمل حاصل نہیں کر سکتے تو یہ حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں؟ فہم حقیقت کے لیے جس علم کی ضرورت ہے یہ اس علم سے محروم ہیں لہٰذا مادی علم اس مادی دنیا کے چند مسائل میں کام چلا سکتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا لہٰذا وہ حقیقت مطلق [absolute reality] کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا، سائنس داں اس دنیا سے ماورا، اس انجانی، ہمہ گیر، وسیع و عریض دنیا کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔ صرف اور صرف طبیعیات کے ذریعے مابعد الطبیعیات کا علم حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا جدید فلسفے اور جدید سائنس کی تین سو سالہ تاریخ کے تلخ تجربات نے ثابت کر دیا کہ فلسفہ اور سائنس حقیقت کی تلاش کے تصور سے بھی دستبردار ہو گئے اور انھوں نے مابعد الطبیعیاتی سوالات کو سوالات کی فہرست سے ہی خارج کر دیا۔ تمام پوسٹ ماڈرنسٹ فلسفی کسی meta narrative کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود کنگ فلاسفر ہائیڈیگر جو فلسفے سائنس و ٹیکنالوجی کی شکست و ریخت سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا کہتا ہے کہ اس دنیا کے لیے کسی اور طرز فکر، کسی اور نقطہ نظر کی ضرورت ہے لیکن نہ فلسفہ نہ سائنس نہ ٹیکنالوجی بلکہ کچھ اور The other thinking اس سے جب کچھ اور کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کا بے ساختہ جواب تھا only God can save us المیہ یہ ہے کہ مغرب کا بہت بڑا فلسفی اور پوسٹ ماڈرن ازم کا نمائندہ ترین فلسفی ہائیڈیگر جس کے فلسفے نے دنیا کو عصر حاضر کے تمام بڑے فلاسفہ عطا کیے ہیں کیونکہ عہد حاضر میں تمام بڑے فلسفی

☆ التاسیس خیر من التاکید ☆ تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدیدیت کے اہداف کو نا قابل حصول قرار دے کر جدیدیت کی شکست کا اعلان کر کے مابعد جدیدیت فلسفہ [Post Modern Philosophy] کو مستحکم کر چکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مابعد جدیدیت [Post Modernism] اور جدیدیت [Modernism] کے اہداف ثلاثہ [آزادی، مساوات اور ترقی] میں کوئی فرق نہیں اسی لیے یرگن ہیبر ماس کہتا ہے کہ: "There is modernity after post modernity" ۔ ہائیڈیگر نے ٹیکنالوجی کے بارے میں ۱۹۲۶ء میں Question Concerning Technology لکھ کر ٹیکنالوجی کے مضمرات پر حیرت انگیز بحث کی تھی اس کی زندگی میں ٹیکنالوجی خدا کی جگہ لے چکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اصل خدا سے نجات اور سلامتی کی امیدیں باندھتا ہے، گو کہ اس کا خدا اس کے اپنے تصور کی تخلیق ہے۔

عالم مشرق کا المیہ:

المیہ یہ ہے کہ عالم مغرب فلسفہ، سائنس وٹیکنالوجی کے تباہ کن رویوں کے باعث خدا کی پناہ مانگ رہا ہے اور خدا سے امیدیں وابستہ کر رہا ہے اسے سکون خدا کی آغوش میں نظر آرہا ہے لیکن مشرق کے تمام جدیدیت پسند مسلم مفکرین جنھیں خدا بغیر کسی محنت تلاش اور جستجو کے مل گیا ہے خدا کا دامن ترک کر کے کامیابی اور کامرانی کی تمام امیدیں سائنس وٹیکنالوجی سے وابستہ کر رہے ہیں۔ مشرق کے بیشتر اسلامی مفکرین اور بعض راسخ العقیدہ اسلامی تحریکوں کا مشترکہ خیال یہی ہے کہ امت مسلمہ کو عروج خدا کے دامن سے نہیں سائنس وٹیکنالوجی کی سجدہ گاہ سے ملے گا، وہ مسلسل سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول کی باتیں کر رہے ہیں لیکن نہ مغرب انھیں سائنس وٹیکنالوجی دیتا ہے اور نہ یہ خدا کے دامن سے وابستگی میں کوئی خیر پاتے ہیں، ان کے یہاں قرآن اور خدا کے تصورات علامتی طور پر باقی رہ گئے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ڈیکارٹ اور ابتدائی جدیدیت پسند فلسفیوں نیوٹن وغیرہ کے پاس تھے کہ خدا نے کائنات بنا دی جو خود بخود گھڑی کی طرح چل رہی ہے، خدا کا تعلق اس کائنات سے خدائے زندہ کا نہیں بلکہ مجہول خدا کا ہے جو بے کار ہو گیا ہے [نعوذ باللہ]، لہٰذا اب وہ آرام کر رہا ہے اب کام صرف انسان کو کرنا ہے، یہی تصور ارتقاء تمام جدیدیت پسندوں کے یہاں ملتا ہے کہ نبوت محمدی کے بعد انسانی ذہن اس قدر ارتقاء پذیر ہو گیا کہ اب نبوت کی ضرورت نہیں رہی اس لیے نبوت ختم ہو گئی اب انسان خود کفیل ہے۔ ''پیغمبر ظاہر'' کی ضرورت اس لیے نہیں رہی کہ ''پیغمبر باطن'' [عقل] اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ کر خیر وشر میں فرق کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور اس فرقان کو پہچاننے کا اہل ہے جس کے لیے انبیاء مبعوث کیے جاتے تھے۔

البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر☆ گواہ لانا مدعی کے ذمہ اور قسم منکرِ دعوی کے ذمہ ہے۔

© rasailojaraid.com